سوال: میر انیس کی مرثیہ نگاری کی خصوصیات تحریر کریں۔

مرثیہ

مرثیہ لفظ رثاء سے مشتق ہے اور عام طور پر مرے ہوئے اشخاص کے محاسن اور فضائل کا بیان کرنا مرثیہ کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایسی صنف سخن ہے جس کا انسان کے بعض بنیادی جذبوں کے ساتھ تعلق ہے۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے ان عزیزوں اور دوستوں کے بارے میں سوچتا ہے جو اس دنیا سے کوچ کر گیا ہوتا ہے اور بعض اوقات ان لوگوں کے بارے میں بھی سوچتا ہے جن سے اس سے کوئی ذاتی تعلق نہیں ہوتا بلکہ قومی اور ملی حوالوں سے رابطہ ہوتا ہے۔ مرثیہ بنیادی طور پر کسی مرنے والے کی تعریف کو کہتے ہیں۔ یہ ذاتی بھی ہو سکتا ہے اور غیر ذاتی بھی۔ اس لحاظ سے مرثیہ کی صنف دنیا کے مختلف علاقوں میں موجود ہے اور دنیا کا کوئی ادب اس صنف سخن سے خالی نہیں۔

ڈاکٹر سہیل بخاری کہتے ہیں کہ مرثیہ نے دکن میں جنم لیا۔ دکنی شاعروں نے مدتوں اس صنف کی آبیاری کی۔ ابتداء میں مرثیہ یا تو شہر کے طور پر کیا گیا ہے یا کسی کی خوشنودی کیلئے مگر جلد ہی ایسے شاعر پیدا ہو گئے جنہوں نے مرثیہ کے علاوہ دوسری صنف سخن سے زبان کو آلودہ نہ کیا۔ شمالی ہندوستان میں مرثیے کیلئے دکن کا مرہون منت رہا۔ دکن کے شاعروں کے مرثیے ہاتھوں ہاتھ یہاں پہنچے۔ جن سے شمالی ہندوستان کی مجلس عزاء کی زینت ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ مرثیہ کا مرکز ثقل گجرات ہوتا ہوا شمالی منتقل ہوا۔ جہاں وہ بام عروج پہنچا اور لکھنؤ میں انیس کے ہاتھوں کمال کے درجوں پر پہنچ کر شاعری کی ایک قسم کی حیثیت سے ادب کے خزانہ میں داخل ہو گیا۔ جس زمانہ میں میر خلیق، میر ضمیر کے مقابلے میں لکھنؤ میں اکھاڑہ جمائے ہوتے تھے۔ اس وقت ان کے سب سے بڑے بیٹے میر انیس فیض آباد میں فن کی ابتدائی سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔ کبھی کبھی اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ بھی جاتے اور اپنا کلام سناتے۔ رفتہ رفتہ انیس نے لکھنؤ میں قدم جمائے اور ایک وقت ایسا آیا وہیں رہ پڑے۔ لکھنؤ کے قیام سے انیس کے کلام میں ایک موڑ آیا اور ایک ابھار بھی۔ یہیں سے انیس نے انیس بننا شروع کیا اور آج انیس بن کر رہا۔

اردو ادب میں بھی مختلف شخصیات کے مرثیے لکھے گئے ہیں مگر وہ ادبی صنف جسے آج ہم مرثیہ کا نام دیتے ہیں یہ ادبی صنف واقعات کربلا کے ساتھ منسلک ہوئے اور آج جب ہمارے سامنے لفظ مرثیہ کا ذکر آتا ہے تو جس مرثیہ کے بارے میں تاثر ابھرتا ہے وہ کربلا کا ہے۔ سب سے زیادہ مرثیے واقعات کربلا کے متعلق ہی لکھے گئے ہیں اور خاص طور پر لکھنؤ میں ہمارے شاعروں نے جس میں خاص طور پر انیس اور دبیر نے ایک ایسی ہیئت اختیار کی اور اپنے سے پہلے مرثیہ نگاروں کے قائم کئے عناصر کو اس طرح عروج پر پہنچا دیا کہ اردو میں مرثیہ کے واقعات کربلا سے ہی مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔

ہیئت

مرثیہ کی صنف کیلئے کسی لازمی ہیئت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے شمالی ہند اور

مرثیہ کی ہیئتیں مختلف ہیں لیکن انیس اور دبیر نے مسدس کی ہیئت میں مرثیہ لکھا ہے کیونکہ یہ صنف اس دور تک ایک مقبول صنف بن گئی تھی۔ اس لئے بعد میں مرثیہ اسی ہیئت میں لکھا جانے لگا۔

ان تمام وجوہات کی بنا پر مرثیہ کو اردو کی بڑی صنف کہا جا سکتا ہے کہ انیس اور دبیر نے مرثیہ کو جو معراج کمال دیا ہے وہ شاید کوئی اس صنف سخن کو نہ دے سکے گا۔ اگر موجودہ زمانے میں بھی مرثیہ نگاری کی گئی ہے لیکن یا تو انیس اور دبیر کی تقلید ہے یا پھر انیس و دبیر کا رنگ ان میں جھلکتا ہے لیکن وہ بلندی پیدا نہیں کر سکے جو انیس اور دبیر نے مرثیہ نگاری کو دی ہے۔ انیس کا مرثیہ اردو شاعروں کی صنف اولین میں نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں جب تکلیف و تصنع اور مبالغ کا بازار گرم تھا ان کی شاعری جذبات حقیقی کا آئینہ تھی اور جس نیچرل شاعری کا آغاز حالی اور آزاد کے زمانے سے ہوا اس کی داغ بیل انیس نے ڈالی تھی۔ انیس نے مرثیہ کو ایک کامل جذبہ کی صورت میں چھوڑا جس کی اختال حالی نے نہایت کامیابی سے کیا۔ لکھنؤ نے انیس کی مرثیہ گوئی کو ترقی کی راہ پر لگایا۔ وہاں کے شعر و شاعری سے رچے ہوئے ماحول نے ان کے فن کو سنوارا۔

میر انیس کا کمال یہ ہے کہ بیچ دریا میں رہ کر دامن تر نہ ہونے دیا۔ اپنی روش ذرا نہ بدلی اور اپنے کلام کو ماحول سے بے میل رکھا۔ لکھنؤ کا کلام میر انیس کی شاعری میں ایک موڑ ہے۔ وہ موڑ جس نے انیس کی شاعری کو اس شاہراہ پر ڈالا جس پر ہو کر میر صاحب فن کی اونچی سے اونچی منزل تک پہنچے۔

بقول سجاد باقر رضوی اردو مرثیہ ایک مرکب صنف ہے جس میں مختلف اصناف سخن کی خصوصیات گھلی ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسی صنف سخن ہے جو تقلیدی نہیں ہے۔ اردو شاعری نے مرثیہ کے تصور کو بالکل بدل دیا۔ موضوعاتی طور پر اس کی اہمیت یہ ہے کہ زندگی کی ہیئت کی سطح کی بجائے زندگی کے اعلیٰ اور روحانی پہلوؤں سے متعلق ہے۔ فنی طور پر اس میں ایک تو واقع نگاری ہے پھر اس میں نیت سے کردار اور ان کے احساسات اور جذبات آتے ہیں۔ اور ان احساسات اور جذبات کا بیان کیا جاتا ہے پھر اس میں رزمیہ عناصر ہی پائے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مرثیہ نگاری نے منظر نگاری کی طرف خاص توجہ دی ہے اور فطرت اس واقع کا ایک حصہ نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کے کمالات ہی دکھائے جاتے ہیں۔

میر انیس کی مرثیہ نگاری پر تنقید

انیس کے کمال کلام پر سر دھننے والوں، اس کی زبان کے رس بیان کے طرز اور لفظ معنی کے خوبصورت دلکش اور حسین التزام پر وجد کرنے، جھومنے اور بھڑک اٹھنے والوں کی آج بھی کمی نہیں۔ شعر کا جدا جدا ذوق رکھنے والوں، الگ الگ خیال کے ادیبوں، رنگ رنگ کے شاعروں اور طرح طرح کے نظریے رکھنے والے نقادوں، سب نے ایک زبان ہو کر اسے عقیدت کے پھول پیش کئے۔ اس کی فنی کوششوں اور شعری کاوشوں کی داد دی۔ انیس کی تعریف میں رباعیاں اور نظمیں لکھی گئیں۔ حیات انیس

Scanned with CamScanner

اور یادگار انیس لکھ کر اس کی حیات دائمی کا سامان اکٹھا کر دیا گیا اور روح انیس نے اس کو فن کی گہرائیوں میں اترنے کا راستہ سمجھایا۔

مرزا غالب نے کہا:

''ہندوستان میں انیس و دبیر جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ آئندہ ہو گا۔''

بقول مرزا دبیر:

آسماں بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامین
طور سینا میں بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

بقول ابوالکلام آزاد:

''ادبیات اردو اور زبان اردو کو قصر گمنامی سے نکال کر انیس کے مراثی نے بین الملی و ادبی سطح پر پہنچا دیا۔''

بقول شبلی نعمانی:

''میر انیس چونکہ فطرت اور معاشرت انسانی کے بہت بڑے راز داں ہیں اس لئے دقیق سے دقیق اور چھوٹا نکتہ بھی ان کی نظر سے بچ نہیں سکتا۔''

بقول پروفیسر احتشام حسین:

''میر انیس نے اپنے ذاتی مزاج' شاعرانہ غرور اور موضوع کے تقدس کو یکجا کر کے عوام اور خواص دونوں سے وہ خراج تحسین حاصل کیا جو مشکل ہی سے کسی شاعر کے حصے میں آیا ہو گا۔''

شاید یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ مرثیوں نے ایک محدود مضامین ادبی ذوق کی تربیت کا جو فرض انجام دیا وہ کسی دوسری صنف سے ہو نہ سکا۔ ایک وقت وہ تھا کہ مرثیے کو فن شعر سے کوئی رابطہ خاص نہ تھا۔ میر انیس کی شاعری کے بعد مرثیہ شاعری میں ایک مثالی حیثیت اختیار کر گیا۔ اسے صرف ادب کی ایک مستند صنف کا درجہ حاصل نہ ہوا بلکہ بہت سے شعراء کیلئے راہ ہدایت بن گیا۔

دور جدید کے نجانے کتنے شعراء نے انیس سے شعوری یا غیر شعوری طور پر کسب فیض کیا ہے اور اگر مرثیے کے زندہ عناصر سے تخلیقی رابطہ قائم کیا جائے تو یہ فیض رسائی اور بہتر نتائج برآمد کر سکتی ہے۔

بقول اثر لکھنوی:

''لطافتوں سے لطف اندوز ہونے کا بہرہ نہ رکھنے والوں کا ذکر نہیں میں نے غیر مذہب کے پڑھے لکھے لوگوں کو دیکھا ہے کہ انیس کی نوشتہ ازم و بزم کو پڑھ کر جھومتے ہیں اور مصائب کے بیان پر آبدیدہ ہو گئے ہیں۔''

کیا یہ ممکن تھا کہ اگر انیس کے قلم کے حقائق میں رعنائی و رنگینی و دل گزاری نہ بھری ہوتی روح کی گہرائیوں میں تلاطم برپا نہ کرتی اور جمالیاتی احساس کو بیدار نہ کرتی تو دوسروں کو متاثر کیسے

Scanned with CamScanner

8 کا پک

بقول رام بابو سکسینہ:

"بحیثیت شاعر ان کی جگہ صنف اولین میں ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کو زبان اردو کے تمام شعراء سے بہترین اور کامل ترین سمجھتے ہیں اور ان کو ہندوستان کا شکسپیئر اور خدائے سخن مانتے ہیں۔"

انیس کی مرثیہ نگاری کی خصوصیات

انیس کو اردو کا سب سے بڑا مرثیہ نگار قرار دیا جاتا ہے۔ مرثیہ نگاری کی تاریخ کا مختصر سا مطالعہ کرنے سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ انیس نے نہ تو اردو مرثیے کی ابتداء کی اور نہ ہی اس کی ہیئت میں کوئی جدت پیدا کی بلکہ جس شکل میں مرثیہ اس زمانے تک پہنچ چکا تھا اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور اسے تکمیل تک پہنچایا۔ انیس خاندانی شاعر تھے اور مرثیہ گوئی بھی ان کے خاندان میں کئی پشتوں سے موجود تھی۔

عمر گزاری ہے اس دشت کی سیاہی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

(۱) واقعہ نگاری

انیس واقعہ نگاری کے مرد میدان ہیں۔ ان کی فنکارانہ نظر واقعہ نگاری کی صناعی پر چابکدستی سے قائم رہتی ہے۔ اس سلسلے میں شبلی بھی ان کی تعریف کرتے ہیں کہ واقعی نگاری کا فن انیس کا خاصہ ہے۔

میر انیس نے واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچا دیا ہے اردو کیا فارسی میں بھی اس کی نظیر مشکل سے ملتی ہیں۔ میر انیس چونکہ فطرت اور معاشرت انسانی کے بہت بڑے رازداں ہیں اس لئے انہیں سے دقیق اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی ان کی نظر سے نہیں بچ سکتا۔ اس کے ساتھ زبان پر قدرت ہے کہ کہیں ان کو دقت پیش نہیں آتی۔ مثلاً جوانان اہل بیت کی سیر و خوش خرامی کے موقع پر کہتے ہیں۔

زلفیں ہوا میں اڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ ہے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ ہے

واقعہ نگاری کے یہ نمونے بڑے ہی خوبصورت اور دلاویز ہیں۔ میر انیس کا اصلی کمال اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ کسی طویل واقعہ کی تفصیلات مسلسل بیان کر رہے ہوں۔ ایسے واقعات پر مضمون

Scanned with CamScanner